*..*رمضان کی تہیسویں رات سورت عنکبوت اور سورت روم پڑھنا*..*

انسان کی تخلیق کا مقصد

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، عبادت کی مختلف صورتیں ہیں۔ ہر صورت کا اپنا رنگ اور ذوق ہے۔ ہر عبادت کی اپنی فضیلت ہے۔ تلاوتِ قرآن افضل ترین عبادات میں سے ہے۔قرآن کریم کی تلاوت کرنا بھی عبادت ہے، اور اس کو اہتمام کے ساتھ سننا بھی عبادت ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا بھی سنت ہے، اس کا سننا بھی سنت ہے۔سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرْآن ''میری امت کی افضل عبادت تلاوت قرآن ہے۔ ''(مسند الشھاب،حدیث: 1284)

ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی سارے معاملے کی اصل ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ مزید وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْکَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللہِ فَإِنَّهُ نُورٌ لَکَ فِي الْأَرْضِ وَذُخْرٌ لَکَ فِي السَّمَاءِ (ابن حبان، حدیث: 361)

''(اے ابوذر!) تلاوتِ قرآن اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کیا کرو ، اس لئے کہ یہ زمین میں تمہارے لئے نور اور آسمانوں میں تمہارے لئے (نیکیوں کا) ذخیرہ ہوگا۔''

قرآن پڑھنے والے کا جنت میں اِعزاز

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

يُقَالُ يَعْنِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ : اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا.

''قرآن پڑھنے والے سے (جنت میں) کہا جائے گا : قرآن پڑھتا جا، اور جنت میں منزل بہ منزل اُوپر

چڑھتا جا ۔اور یوں ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھ، جیسے دنیا میں پڑھتا تھا، تیرا ٹھکانہ جنت میں وہاں پر ہو گا

جہاں تُو آخری آیت کی تلاوت ختم کرے گا۔''(ترمذی، اَبواب فضائل القرآن، حدیث: 2914)

قارئین! قرآن عظیم الشان کی تلاوت عظیم الشان عبات ہے جو ہر وقت مطلوب و ممدوح ہے لیکن کسی... خاص سورت کو ،...خاص وقت میں،...کسی خاص فضیلت کے ساتھ پڑھنا دلیل چاہتا ہے اس لئے کہ قرآن کی تلاوت عبادت ہے، اور عبادات توقیفی ہوتے ہیں... جن کی مقدار،کیفیات،... فضائل،...قیودات، ... تخصیصات وغیرہ صرف شریعتِ مطہرہ سے ہی معلوم کئے جا سکتے ہیں، اور ان میں ذاتی اٹکل اور رائے نہیں چلتی۔مگر ہر دور کے بدعتی بالخصوص پیرانِ باطل بزبانِ حال شریعت سازی کے دعوے کے ساتھ فضائل میں من گھڑت روایات بنا کر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے آ رہے ہیں۔اور نیکی کے نام اور شکل پر بدعات ایجاد کرتےرہے ہیں۔ ان سینکڑوں بدعات و ایجادات میں سے ایک ''رمضان کا تہیسواں'' بھی ہے۔

رمضان کی تہیسویں رات بعض علاقوں میں تراویح پڑھنے کے بعد امام صاحب سورت روم اور اور سورت عنکبوت پڑھتے ہیں، اور اس کام کو فرض سے بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں۔اس لئے ہمارا موقف واضح ہے کہ جو ائمہ مساجد اس عمل کو مسنون اور مستحب سمجھ کر کرتے ہیں، وہ گمراہی میں مبتلا ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے، اور گمراہی کا ٹھکانہ جہنم بتایا ہے۔

اس بدعتِ سہیہ کی بنیاد ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے جس کا نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کرنا بھی حرام اور بے شرمی ہے۔ یہ کام چندپیسوں کے لئے کیا جاتا ہے، اور بعض علاقوں یا مساجد میں عوام یہ کام امامانِ مساجد سے جبراً کرواتے ہیں۔ جبکہ بعض علاقوں میں امامانِ مساجد اس کی مشروعت کے قائل ہیں، اور جو مشروعیت کے قائل ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ نے کیا بھی نہیں ، اور نہ ہی اس کے کرنے کا حکم دیا ہے ۔ نہ ہی صحابہ کرام نے کیا ہے،اور نہ ہی ائمہ مجتہدین اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ۔ بلکہ برصغیر ہندوپاک میں یہ کام کئی صدیاں بعد شیعہ فرقے کی وجہ سے شروع ہوا ہے۔ اور آج کل اس کا سب سے بڑا محرک بخیل عوام سے اس بہانے چند پیسے وصول کرنا ہے۔

اس بدعتِ سہیہ کی شرعی حیثیت

یہ ایک غیر مشروع اور خلافِ سنت عمل ہے اس لئے اسے مستحب اور مباح کہنا بھی جائز نہیں۔یہ محض قراء تِ قرآن پر پیسے بٹورنے کا بہانہ تھا ۔ دیہات کے سرداروں اور خانان کی طرف سے مولوی کی آمدنی بڑھانے کیلئے شروع کئے گئے اس بدعت نے آج کل فرض عبادات سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کیا گیا ہے۔ حالانکہ محض قراء تِ قرآن پر پیسے لینا حرام ہے ،اور پیٹ جہنم کی آگ سے بھرنے کے مترادف ۔(دیکھئے احناف کے معتبر کتب)

عبادات پر پیسے کمانا کتنا سنگین اور قبیح فعل ہے ، اس کا اندازہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ متوفی 187ہجری کے اس قول سے لگایاجاسکتاہے،فرمایا:

﴿لِاَنْ اَطْلُبَ الدُّنْیَا بِطَبَلٍ وِمِزْمَارٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَطْلُبُھَا بِالْعِبَادَۃِ﴾

''طبل و سارنگی پر پیسے کمانا مجھے عبادت کے ذریعے پیسے کمانے سے زیادہ پسند ہے۔''(صفۃ الصفوۃ لابن جوزی،،، تاریخ ابن عساکر)

بدعت کی قباحت کے بارے میں قرآن و حدیث کا موقف

اللہ تعالیٰ فرماتاہے: ﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُواْ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓاْ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّواْ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيرًا وَضَلُّواْ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ﴾ (سورت مائدہ،آیت:77)

''(اے نبیﷺ) کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب ! دین میں حد سے مت بڑھو،سوائے حق کے ،اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کر وجو تم سے پہلے ہلاک ہوگئے ہیں ،اور بہت ساروں کو گمراہ کیا تھا اور خود بھی گمراہ ہوئے تھے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ابن ابی حاتم رحمہ اللہ متوفی 277 ہجری لکھتاہے کہ:

''نصاری میں دینِ خدا کا پابند ایک شخص تھا۔ایک زمانہ بعد شیطان نے اسے بہکایا کہ جوتم سے پہلے
لوگ کر رہے تھے ، وہی وہی تم بھی کر رہے ہو، اس میں کیا رکھا ہے۔اس کی وجہ سے نہ تو عام
لوگوں میں تمہاری قدر ہوگی، اور نہ ہی شہرت۔تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو ،اسے لوگوں
میں پھیلاؤ، پھر دیکھو کیسی شہرت ہوتی ہے اور کس طرح جابجاتمہارا ذکر ہونے لگتا ہے؟

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا (بدعت ایجاد کیا)۔ اور اس کی وہ بدعتیں لوگوں میں پھیل گئی اور ایک زمانہ اس کی پیروی کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر(بدعت ایجاد کرنے پر) اسے بڑی ندامت ہوئی، اور ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں خدا کی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ لیکن خدا کی طرف سے اسے جواب ملا کہ صرف میری ہی خطا کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا ۔لیکن تم نے عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط

راہ پر لگادیا ،جس پر چلتے چلتے وہ (بغیر توبہ)مر بھی گئے، ان (کی گناہ)کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا ؟میں تیری توبہ بھی قبول نہیں کروں گا ۔"(تفسیر ابن ابی حاتم، سورت مائدہ ،آیت:77)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ متوفی 774ہجری تفسیر ابن کثیر میں سورت احقاف کی آیت: 11کی تفسیر میں بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہروہ قول وعمل جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو ،وہ بدعت ہے کیونکہ اگر ان میں کوئی خیر ہوتی توصحابہ رضی اللہ عنہم ان کو ضرور کرتے۔"

دین میں غلوکے نقصانات کے بارے میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اور دین میں غلو اور من گھڑت بدعات کا لازمی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ملوث لوگ دین کی اصل اور ضروری اعمال سے غافل ہوجاتے ہیں اسی وجہ سے غلو فی الدین اور بدعت کا نقصان دوگنا ہے ۔غلو اور بدعت میں ملوث ہونا ویسے بھی بڑی گناہ ہے مگر جب ان کی وجہ سے اصل اور صحیح دین پر عمل چھوڑاجائے اور سنت طریقوں سے خود کو محروم کرے تو دوگنا اور بھاری گناہ بن جاتاہے۔"

(معارف القرآن ، پشتو ، پارہ ہشتم ،سورت اعراف،آیت:33)

ارشاداتِ نبوی ﷺ میں بدعت کی قباحت اور بدعتیوں کیلئے وعید

سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ)

"جس نے ہمارے اس اَمر(دین) میں کوئی ایسی بات ایجاد کی، جو اس میں نہیں تھی، تو وہ رَد کی جائے

گی۔"(ابن ماجہ، باب تَعْظِيمِ حَدِيثِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَالتَّغْلِيظِ عَلَى مَنْ عَارَضَهُ)

سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاسے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
{ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لیس علیہ امرنا فھو رَدٌ}
''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا حکم ہم نے نہ دیا ہو تو وہ عمل قابل قبول نہیں۔'' (صحیح مسلم ، کتاب الاقضیۃ ،باب نقض ا لا حکام الباطلہ)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ
''دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو، اس لئے کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے ، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''(ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فہ لزوم السنۃ)

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے :من وَقَّرَ صاحب بدعۃ فقد اَعَانَ عَلَی ھَدمِ الاسلام
'' جس نے بدعتی کا احترام کیا تو اس نے اسلام گرانے میں اس بدعتی کی مدد کی۔''(شُعَبُ الایمان،للبیہقی،،،،،مشکوۃ،باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

بدعات و اختراعات کی دنیا کے ''بے تاج بادشاہوں ''نے علم کا لبادہ اُوڑھ کر ہر دور میں اپنی کمائی کا کوئی بھی ذریعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا ہے۔بدعات کی چونکہ مبداء و مصدرہی معاش و رزق ہے، اس لئے عوام کی ذہنوں میں یہ بات راسخ کی گئی کہ نیکی اور ثواب کے کام میں حرج ہی کیا ہے؟

لیکن ہم نہیں، شریعت کہتا ہے کہ حرج ہے اور وہ یہ کہ:

''اگر یہ کام ضروری ہوتا تو صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اس کے کرنے میں ہم پر سبقت لے
جاتے۔''

...دوسری بدعات کی طرح یہ بدعت بھی نبی کریم ﷺ سے قولاَ،فعلاَ یا تقریراَ ثابت نہیں ہے ، ...اورنہ ہی یہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا عمل رہا

ہے،...نہ ہی اُنہوں نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے ،...نہ ہی چاروں اماموں میں سے کسی سے یہ ثابت ہے،...نہ ہی تین بہترین صدیوں میں سے کسی صدی میں یہ عمل ثابت ہے۔اس لئے بلا شک وشبہہ یہ ایک بد ترین اور سیاہ بدعت ہے اور اس کا محرک فقط دنیاوی منفعت ہے۔اور دنیاوی منفعت کو مقصدِ اولین سمجھ کر علمِ دین حاصل کرنا ناجائز ،حرام اور دین کا مذاق ہے۔

رمضان کی اس بدعت کی ابتداء ہندوستان میں ہوئی ہے

اس بارے میں پیش کی جانے والی بے سروپا ، بے سند،من گھڑت روایت یہ ہے:
﴿قال رسول اللہ ﷺ : من قراء القرآن سورۃ عنکبوت و سورت روم فی لیلۃ ثلاث وعشرین من رمضان فہو من اہل الجنۃ﴾

''نبی کریم ﷺ نے فرمایاکہ جس نے سورۃ عنکبوت اور سورۃ روم رمضان کی تہیسویں رات پڑھے ،تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے ۔''(انیس الواعظین مؤلف شیخ ابوبکر واعظ سندھی،ص:60مطبوعہ سیٹھ آدم جی عبداللہ پبلشرز بمبئی والے نولکھا لاہور،،،ارشاد الطالبین ،مؤلف اخون درویزہ بابا رحمہ اللہ متوفی 1048 ہجری)

ان روایات کی نہ سر ہے، نہ پَیر ، نہ اس کی سند ہے، نہ اس کا بیان کرنے والا راوی ، اور نہ ہی حدیث کی کسی کتاب میں اس کا وجود ہے۔اور جس کتاب میں یہ منقول ہے، وہ ایک مجہول الحال ''آخون قسم مولوی'' کی کتاب ہے انیس الواعظین، اور وعظ کی کتابوں کے بارے میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ ان میں ہر رطب و یابس موجود ہوتا ہے۔اس لئے جو عالم کسی بے سند حدیث کو حدیث سمجھے ، اس سے بڑا جاہل دنیا میں کوئی نہیں۔اگر کسی کو میری اس بات پر اعتراض ہو، تو اس روایت پر بحث کے لئے میرا چیلنج قبول کرے۔

☆اس روایت سے برصغیر پاک و ہند ، ایران اور افغانستان کے علاوہ باقی دنیا واقف نہیں۔اس لئے کہ اس روایت کی ایجاد ہی ہندوستان میں ابوبکر واعظ سندھی

نامی مجہول الحال "آخون" نے کی ہے۔ اشرف علی تھانوی اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہااللہ لکھتے ہیں :

" اَنیس الواعظین کی روایات معتبر نہیں اور اس پر عمل جائز نہیں۔"(امداد الاحکام)

☆قرآن کریم کی تفاسیر میں ہر سورت کی فضائل احادیث کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں، مگر ان... دو سو ر تو ں کو ،...اس خاص رات میں پڑھنے کی کوئی فضیلت نہیں آئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ: اَنیس الواعظین اور ارشاد الطالبین کے مصنفین نے احادیث کے نام پر روایات میں مجرمانہ غفلت کی وجہ سے اپنی اپنی کتب کی حجم بڑھانے کے لئے غلط، باطل اور موضوع روایات نقل کئے ہیں ۔ اور ان کی کتابوں میں منقول صرف ان روایات کا اعتبار کیاجائے گا جو صحیح سندات سے دوسری

کتبِ احادیث سے ثابت ہو۔ان دونوں مصنفین نے یہ روایت کس سے لی، کوئی جواب نہیں۔۔

کس کتاب سے لئ، کوئی حوالہ نہیں۔بلکہ یہ دونوں صوفیاء تھے اور صوفیاءاس کام میں خود ماہر ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے میں زیادہ دلیر، اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کی وعید سے بے خوف اور بے پرواہ۔

...اگر یہ عمل عبادات میں سے ہوتا تو قرآن و سنت میں اس کا ذکر آتا جو کہ نہیں ہے ،...اگر یہ عبادت ہوتا تو دوسری عبادات کی طرح یہ بھی مرد و خواتین دونوں کیلئے عام ہوتا جو کہ نہیں ہے ، کیونکہ مرد حضرات تو مسجد میں اس کو سن لیتے ہیں ،یا اس میں حصہ لیتے ہیں لیکن خواتین کیلئے یہ کہیں مذکور نہیں کہ وہ گھروں پر انفرادی یا اجتماعی طور پر اس کا اہتمام کریں ،اس سے ثابت ہوا کہ اس کا مقصد فقط "دنیا" ہے۔

...اس کے خلافِ شرع ہونے کیلئے یہ بھی کافی ہے کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس و محترم مساجدمسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے ساتھ ساتھ دنیا کے اکثر مسلم ممالک میں اس بدعت کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔یہ صرف ہندوستانی ،پاکستانی اور افغانی مسلمانوں اور شیعہ فرقہ کا خاص عمل ہے ۔

لطیفہ:

ہمارے گاؤں مندیزائی شہقدر، جوکہ غلط عقائد، اور خرافات کا کوڑا دان ہے، میں 2009 میں امامِ مسجد نے مقررہ رات پر اس کو نہیں کیا کیونکہ اسے اس کی حقیقت معلوم ہوچکی تھی،لیکن

''بے علم عوام'' نے امام صاحب سے ستائیسویں رات پڑھوایا،اس سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ عبادت نہیں، بلکہ بدعت سہیہ ہے۔کیونکہ اگر یہ عبادت ہوتی تو اس کا وقت تبدیل کرنے کا اختیار کسی کو نہ ہوتا،چہ جائیکہ گاؤں کے ''دین سے ناواقف عوام''۔

عبادات اور ان کے اوقات توقیفی ہیں

اسلامی شریعت میں اُصولِ فقہ کا ایک نہایت اہم اور بنیادی قاعدہ ہے کہ:عبادات توقیفی ہیں، یا عبادات کی بنیاد توقیف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی عبادت اپنی طرف سے سے

کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل ممکن ہے۔ نصوصِ شریعت یعنی قرآن و سنت میں وہ عبادت ثابت ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ لہذا کوئی بھی عبادت شرعی دلیل کے بغیر جائز نہیں ہے۔جیسے کہ فرمانِ باری تعالی ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور تم پر میں نے اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرما لیا ہے۔''(المائدۃ: 3)

''توقیف''عربی زبان کے لفظ ''وقوف''سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے:''رک جانا''یا ''ٹھہر جانا''

جبکہ فقہائے کرام کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت (ہر وہ عمل جو ثواب کی نیت سے کیا جائے) کے معاملے میں ہم صرف وہیں تک محدود رہیں گے ،جہاں تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔ ہم اپنی عقل، پسند یا ،رائے سے کسی نئے عمل کو'عبادت' قرار نہیں دے سکتے۔ اور نہ ہی مقررہ عبادات کی ہیئت (طریقہ کار)، وقت، جگہ یا مقدار میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ہمارے لیے دین مکمل کر دیا تو جس عبادت کو اللہ تعالی نے ہمارے دین میں شامل نہیں فرمایا تو وہ دین نہیں ہو سکتا۔سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی چیز جو تمہیں جنت کے قریب کرے، یا جہنم سے دور کر دے تو وہ تمہارے لیے واضح کر دی ہے۔(طبرانی کبیر، حدیث:1647) ، اور ناصرالدین البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

چنانچہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے دین کا حصہ نہیں بنایا تو وہ بھی ہمارے لیے دین نہیں ہے۔اسی لیے محدثین فقہائے کرام کہا کرتے تھے کہ:

عبادات میں اصل توقیف ہے ، اس لیے جس چیز کو اللہ تعالی نے شریعت میں شامل فرمایا، وہی شریعت میں شامل ہو گا۔ اور جو چیزیں کسی ...جگہ یا ...وقت کے ساتھ

شریعت میں مقید کی گئی ہیں وہ انہیں... جگہوں اور ...اوقات کے ساتھ مقید کی جائیں گی۔

البتہ عادات یعنی لوگوں کے عمومی زندگی گزارنے کے طور طریقے جن کی لوگوں کو ضرورت ہوتی

ہے، ان کے بارے میں بنیادی اُصول یہ ہے کہ ان میں ممانعت نہیں ہے، لہذا ان میں سے صرف اسی کام کو منع قرار دیا جائے گا ،جنہیں اللہ تعالی نے منع قرار دیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امر اور نہی دونوں ہی اللہ تعالی کی شریعت ہیں، اس لیے جس کام کو بھی اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے صرف وہی حرام ہے، اور جن کو حرام قرار نہیں دیا وہ حرام نہیں ہے۔ ورنہ ہم اللہ تعالی کے اس فرمان کی زد میں آ جائیں گے:﴿قُلۡ أَرَءَيۡتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزۡقٖ فَجَعَلۡتُم مِّنۡهُ حَرَامٗا وَحَلَٰلٗا﴾

"(اے نبی!)کہہ دیجیے: تم بتلاؤ کہ جو کچھ اللہ تعالی نے تمہارے لیے نازل کیا ہے تو تم نے ان میں سے حرام اور حلال بنا دئے ہیں![یونس: 59]

ا سی لیے اللہ تعالی نے مشرکین کی مذمت فرمائی کہ انہوں نے دین میں ایسی چیزیں شامل کر دیں جن کی اللہ تعالی نے اجازت نہیں دی، اور دنیاوی معاملات میں سے ایسی چیزیں حرام کر ڈالیں جنہیں اللہ تعالی نے حرام قرار نہیں دیا ۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عبادات کیلئے ...اوقات اور...کیفیات مقرر کرنا شریعت کاکام ہے ، اور اس میں کسی کی رائے اور پسند و ناپسند کو دخل نہیں۔

مثال کے طور پر نماز کے اوقات، کہ جب اوقات کے اندر نماز پڑھی جائے تو اسے 'ادا' کہتے ہیں، اورجب کوئی نماز وقت کے اندر نہیں پڑھی جاتی تو اسے 'قضا

ء''کہا جاتا ہے، جس کی ادائیگی یاد آنے پر واجب ہے، مگر گناہ سے بچنا پھر بھی نہیں۔

اس ساری بحث سے اس''23 ویں رات سورتیں'' پڑھنے کا بدعت ہونا ظاہر وباہر ہے ۔اور بدعت کو نبی کریم ﷺ نے بے شمار احادیث میں گمراہی کہا ہے ۔اب پتہ نہیں کہ یہ''مولوی'' نبی کریم ﷺ کی حدیث میں گمراہی کے بدلے جہنم کی وعید کو کیسے جنت میں بدلیں گے ؟ کیونکہ ان کے بقول نیک کام ثابت ہو یا نہ ہو، اس پر اجر ملے گا۔

اگر کوئی اس کو عبادت سمجھتاہے تو دلیل اس کے ذمے۔قرآن کی تلاوت مشروع اور ممدوح ہے۔ اسی طرح... بعض خاص سورتیں... خاص اوقات میں ... خاص فضیلت کے ساتھ بالتفصیل احادیث کی کتابوں میں صحیح اور کمزور دونوں طرح کی روایات میں منقول ہیں۔ مگر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب مجموعہ ہائے احادیث سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک جمع کئے گئے ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی رمضان کی تیئیسویں رات کو سورت روم اور سورت عنکبوت پڑھنے کی کوئی روایت نہیں۔جبکہ اہلِ تشیع کے ہاں یہ مشروع اور مسنون ہے، مگر اُن کی بھی تمام روایات موضوع، من گھڑت اور پیٹ کے وادی سے برآمد ہوئے ہیں۔

عوام کے ساتھ ٹھٹھہ

بدعتی ٹولہ بدعات کو فروغ دینے کیلئے بہت سارے جھوٹ اور خرافات دلائل کا سہارالیتے ہیں ،ان ہی خرافات دلائل میں سے ''ان پڑھ بدعتی ملّاؤں'' اور ''غیر تربیت یافتہ''امامانِ مساجد کی طرف سے وہ دلیل ہے جس سے وہ کم علم عوام کو دھوکہ میں رکھتے ہیں کہ دیکھو جی:

''یہ روایت اگر ضعیف ہے تو فضائل اعمال میں ضعیف روایت پیش کی جاسکتی ہے۔''

اس بات کا جواب

اوّلاً: یہ بات ذہن نشین رہے کہ ضعیف اس روایت کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے حدیث کی مشہور کتابوں میں سند کے ساتھ منقول ہو۔ سند میں صحابی کانام بھی ہوتا ہے، اور صحابی رسول اللہ ﷺ سے سننے کا دعوی بھی کرتا ہے ،اور تابعی صحابی سے سنتا ہے، اور اس طرح ہر شاگرد اپنے استادسے روایت سن کر محدث(حدیث جمع کرنے والے جیسے امام بخاری، امام مسلم، ابوحنیفہ، بیہقی، امام حاکم وغیرہم) تک بات پہنچتی ہے،مگر اس کے باوجود سند یا متین میں کسی کمزوری کی وجہ سے وہ پھر بھی ضعیف کہلاتاہے۔محدثین نے ضعیف حدیث کی تعریف یوں کی ہے:

''جس حدیث میں صحیح روایت کی شرائط نہ پائی جاتی ہو، اسے ضعیف کہتے ہیں۔''

اور صحیح حدیث کی تعریف یوں کی ہے:

''جس حدیث کو عادل و ضابط راوی نے ،تسلسلِ سند کے ساتھ نقل کیا ہو، اور اس کے باقی تمام رُوات عادل و ضابط ہوں، او ر وہ روایت نہ شاذ ہواور نہ معلول ،تو ایسی روایت 'صحیح' کہلاتا ہے۔''

مندرہ بالا تعریف میں پہلی بات یہ ہے کہ صحیح حدیث کا ہر راوی عادل بھی ہو، ضابط بھی ہو۔عادل کا

مطلب ہے کہ راوی مسلمان ہو، مشرک نہ ہو۔ سچا ہو، جھوٹا نہ ہو۔

ضابط کا مطلب ہے کہ راوی کا حافظہ صحیح ہو۔ حافظے سے بیان کرے تو حافظہ صحیح ہو۔ اپنی کتاب سے بیان کرے تو اپنا خط صحیح طور پر جانتا ہو۔یعنی عادل اور ضابط کو آسان الفاظ میں ثقہ راوی کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سند متصل ہو۔ یعنی سند کے ہر راوی کی اپنے استاد سے ملاقات ثابت ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ روایت شاذ نہ ہو۔ ثقہ راویوں کے خلاف نہ ہو۔
چوتھی بات یہ ہے کہ معلول نہ ہو۔ اس میں کوئی علتِ قادحہ نہ ہو۔ یعنی محدثین نے اسے ضعیف قرار نہ دیا ہو۔ یہ پانچ شرطیں جس حدیث میں ہوں گی تو وہ صحیح ہوگی۔اب جس روایت میں یہ شرائط نہ ہو ، وہ حدیث کی کتابوں جیسے ترمذی ، ابو داؤد، ابن حبان ، مستدرک حاکم، بیہیقی وغیرہ میں میں سند کے ساتھ موجود ہونے کے باوجود ضعیف کہلائے گا، اور ضعیف حدیث کی بدترین قسم من گھڑت(موضوع) حدیث ہے۔

مگر حدیث کے نام پر جس حدیث کی سند ہی نہ ہو، اور وہ کسی حدیث کی کتاب میں بھی موجود نہ ہو، بلکہ کسی مفت خور واعظ نے نبی کریم ﷺ سے کئی صدیاں بعد پیٹ پالنے کے لئے بنایا ہو، تو اس روایت کو کوئی جاہل اور احمق مولوی حدیث کہے گا۔جس روایت کی سند نہ ہو اس کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ ہے موضوع ،من گھڑت۔

اس لئے جس روایت میں ضعیف حدیث کی بھی کوئی نشانی نہ ہو، سند نہ ہونے کی وجہ سے، اسے
حدیثِ رسول کہنا بے شرم ملاؤں کا کام ہے ۔اس لئے یہ بات خارج از بحث ہوئی کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال جائز ہے۔ہمارا چیلنج ہے کہ بدعتی مولوی اس کی سند پیش کرے، پھر بات آگے بڑھے گی۔

لہٰذااس تمام تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایسے روایات پر خوفِ خدا نہ رکھنے والے مولوی صاحبان عمل کرتے ہیں ، خداترس ،حق شناس اور حق پرست علماء نہیں۔

تمام بدعتیوں کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ اہلِ سنت والجماعت کے اس محدث ،فقیہ یا عالم کانام بتادے ،جس

نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہو۔جیسے امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان، امام ابو حنیفہ، امام احمد ابن
حبنبل، امام مالک، سفیانِ ثوری وغیرہم۔یا س کتاب کانام بتادیں جس میں اس کو ضعیف کہاگیاہو۔"

قارئین! یہ بات یاد رکھیں کہ جرح ایک موجود چیز پر کیاجاتاہے، نہ کہ معدوم پر۔اور جب یہ حدیث ،احادیث کی متداول کتب میں ملتی نہیں تو محدثین، فقہاء اور علماء رحمہم اللہ جرح کس چیز پر کرتے؟

اس "ہندوستانی نژاد"من گھڑت اور موضوع روایت کے مسکت جوابات

اوّلاً: یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے ۔اس کی کوئی سند نہیں لکھی گئی ۔اور بغیر سند روایت قبول کرنا کسی طرح جائز نہیں بلکہ حرام ہے ۔

من گھڑت روایت کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ متوفی 676 ہجری لکھتے ہیں:

{تحرم روایتہ مع العلم بہ فی ای معنی کان الا بیبیا}

"من گھڑت روایت کاجانتے بوجھتے بیان کرنا حرا م ہے خواہ کسی بھی معنی میں ہو ،مگر یہ کہ اس کا موضوع (جھوٹا) ہونا بیان کردیا جائے(تو اس طرح کرنا جائز ہے)۔"

جب من گھڑت روایت کا دلیل میں پیش کرنا حرام ہے تو بدعتی فرقہ منہ کالا نہ کرے، اورصوفیاء اور جاہل واعظین کی من گھڑت بے سند روایات دلیل میں پیش کرنا بند کرے۔

امام المحدثین عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ متوفی185 ہجری نے فرمایاہے :

{لولاَ الاَسنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ}(مقدمۃ صحیح مسلم،باب بیان ان الاسناد من الدین)

''اگر اَسناد نہ ہوتے تو جو کوئی جو بھی چاہتا، کہہ دیتا۔''

اس لئے بغیر سند کسی بات کو قولِ رسول ﷺ کہنا ناجائز اور حرام ہے۔

ثانیاً: محققین علماء جیسے امام بیہقی نے لکھاہے کہ:

{مَنْ جَاءَ اليَوم بِالْحَدِيثْ لاَيُوجَدْ عِنْدَالْجَمِيع لاَيُقْبَل}

''جو تم سے سے آج کوئی ایسا حدیث بیان کرے ،جو تمام محدثین کے ہاں موجود نہ ہو تو اس کو قبول نہیں کیاجاسکتا۔''

ثالثاً:اگر یہ کوئی نیک عمل ہوتا تو حرمین شریفین میں ضرور کیاجاتا،حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

رابعًا : اگر یہ قولِ رسول ﷺ ہوتا تو یہ کتب احادیث میں موجود ہوتا ،حالانکہ کوئی مائی کالال یہ

ثابت نہیں کرسکتا کہ کسی کتب حدیث میں یہ موجود ہے۔اور جن کتب میں یہ روایت موجود ہے وہ احادیث کی کتب نہیں ،اور نہ ہی اس کے مصنفین محدثین ہیں ۔بلکہ وہ کتابیں جھوٹی روایات اور خرافات باتوں کے خزانے ہیں۔

عبدالحئ لکھنوی حنفی رحمہ اللہ متوفی 1304ہجری ایسے غیر معتبر کتب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ احادیثِ نبویہ اور مسائلِ فقہیہ اور تفاسیرِ قرآنیہ صرف متداول اور مشہور کتابوں سے نقل کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ متداول اور مشہور کتابوں کے علاوہ اوروں پر اعتماد نہیں کیاجاسکتا۔''(مقدمہ عمدۃ الرعایۃ،ص:11)

رہی اخون درویزہ بابا رحمہ اللہ کی کتاب ارشاد الطالبین، تو اس کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کیجئے کہ نہ تو یہ حدیث کی کتاب ہے، اور نہ ہی شیخ رحمہ اللہ کوئی محدث تھے ۔اس میں جابجا من گھڑت روایات کی بھرمار ہے۔اسی طرح اس کی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب موجود من گھڑت اور جھوٹی روایات

کو بھی بلا جھجک رَد کیاجائے گا۔ اس لئے کہ اس کی کتاب میں کسی روایت کا ہونا سند نہیں بلکہ بات کے صحیح ہونے کو اعتبار ہوگا۔

خاساً: تفاسیر میں ہر سورت کی فضائل احادیث کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں، مگر ان سو ر توں کو اس خاص رات میں پڑھنے کی کوئی فضیلت تفاسیر میں نہیں ملتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنیس الواعظین اور ارشاد الطالبین کے مصنفین رحمہا اللہ ان لوگوں میں سے تھے جو نیک بات کی طرف رغبت دلانے کے معاملے میں نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا جائز سمجھتے تھے،یا انہوں نے کسی اور آخون سے سن کر اپنی کتابوں میں بغیر کسی تحقیق یہ روایت نقل کی۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کے مطابق آپ ﷺ پر کسی بھی حال میں جھوٹ بولنے والا یقینی جہنمی ہے۔

☆سادساً: یہ بات ماننی پڑے گی کہ ان کتب کے مصنفین رحمہا اللہ سنت اور بدعت کے فرق سے آشنا نہیں تھے ، اور نیکی کے نام پر ہر چیز کو جائز سمجھتے تھے ،دلیل ہو یا نہ ہو۔اس لئے ان کی کتابوں میں منقول صرف ان باتوں کا اعتبار کیاجائے گا جو صحیح سندات سے دوسری کتب احادیث سے ثابت ہو۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ نیک لوگ ضرورتھے ہم ان کی قدر کریں گے، مگر یہ بھی مسلمہ ہے کہ ان

حضرات سے احادیث نقل کرنے میں سخت اور دین کو نقصان پہنچانے والی کوتاہی ہوئی ہے ،اس لئے یہ حضرات جب تک درست حوالہ نہ دے، اس وقت تک ان کی کوئی بات شریعت میں حجت نہیں بن سکتی ۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

''کسی شخص کیلئے ہمارے کسی قول پر عمل(اس وقت تک) جائز نہیں جب تک وہ اس قول کا...قرآنِ کریم، ...سنتِ رسول اللہ ﷺ...یا اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ...یا قیاس سے اخذ(Source) نہ جان لے۔''

علمائے دیوبند اور مفتیان دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور اس بدعت کا رد

اشرف علی تھانوی اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہااللہ لکھتے ہیں کہ :

''احادیث صحیحہ میں چند سورتوں کی فضیلت تو آئی ہے مگر وہ بھی محض تلاوت کی فضیلت ہے ،کوئی مہینے یا دن یا تاریخ کی قید نہیں۔اور سورت روم اور عنکبوت کی جو فضیلت قیودِ مذکورہ کے ساتھ اَنیس الواعظین سے نقل کی گئی ہے ،احادیثِ صحیحہ میں نظر سے نہیں گزری ۔اَغلب یہ ہے کہ موضوع ہے ۔پس جب تک حدیث کا صحیح ہونا معلوم نہ ہوجائے اس وقت تک اس کی فضیلت کا اعتقاد جائز نہیں ،نہ اس پر عمل کرنا جائز ہے۔اورانیس الواعظین کی روایات معتبر نہیں اور اس پر عمل جائز نہیں۔''(امداد الاحکام)

مفتی یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''رمضان المبارک کی 23ویں شب کو مسجد میں بعد ازنمازِ تراویح، امامِ مسجد کا سورت عنکبوت اور سورت روم پڑھنا، منقول نہیں۔''(آپ کے مسائل اور ان کا حل،ج:3،ص:225)

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کافتوی :

سوال: بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان المبارک کی تیئیسویں رات کو نمازِ تراویح کے بعد امامِ مسجد یا کوئی حافظِ قرآن سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم کی

تلاوت کرکے مٹھائی وغیرہ پر دَم کرتا ہے،اور وہ مٹھائی حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے،اور اس کو مستحب کہتے ہیں۔کیا واقعی یہ طریقہ مستحب ہے؟

جواب: رمضان المبارک کی تہیسویں رات کو قرآن کریم کی سورتوں(عنکبوت اور روم) کو متعین کر کے پڑھنا، اور پھر مٹھائی یا پیسوں پر دَم کرکے حاضرین میں تقسیم کرنا بے اصل اور بدعت ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔لہذا اس سے اجتناب کیا جائے۔اگر چہ قرآن کریم کا سننا اور سنانا واجب اور موجبِ اجر وثواب ہے۔"(فتاوی حقانیہ، ج:2، ص:85)

دارلعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"شریعت نے ان دو سورتوں کی تخصیص 23ویں رمضان کے ساتھ نہیں کی ہے، لہٰذا یہ دین میں اپنی طرف سے زیادت ہے اور یہ مردود ہے۔"(پشتو رسالہ ضروری مسائل،ص:91)

مفتی محمد فرید رحمہ اللہ زروبئ ضلع صوابی 23ویں رمضان کو سورت روم اور عنکبوت پڑھنے کی قبیح بدعت اور اس بارے میں پیش کی جانے والی من گھڑت روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"(1)اس حدیث کی نہ سند معلوم ہے اور نہ مخرج۔یہ حدیث ،حدیثِ ثابتہ نہیں۔(2)نہ حدیث سے یہ تخصیص ثابت ہے اور نہ جزئیہ فقہاء سے ثابت ہے۔ (3)بطورِ عملیات کے پڑھنا نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع ہے اور بطورِ مندوبات و کثرتِ ثواب کے بدعت سہیہ ہے۔" (فتاوی فریدیہ،ج:1،ص:312)

بدعتی ٹولے کا ایک خودساختہ دلیل۔۔۔منع کی دلیل دکھاؤ

جب اس اور اس جیسے دیگر من گھڑت اعمال کو بدعت اور گمراہی کا نام دیا جاتاہے تو بدعتی کہتے ہیں کہ یہ کام آپﷺ نے کیا نہیں ہے مگر منع بھی تو نہیں فرمایا، منع کی دلیل دکھاؤ؟

اب ان جاہلوں کو اتنا پتہ نہیں کہ دلیل کا مطالبہ مدعی سے کیا جاتا ہے، منکر سے نہیں۔ اور یہاں مدعی تیرہسواں ماننے اور منانے والے ہیں۔ پھر بھی ان منافقین کے اس دھوکہ بازانہ مغالطے کا جواب:

دلیل نمبر1: عیدین کی نماز کیلئے اذان دینے سے بھی آپ ﷺ کا منع فرمانا منقول نہیں، لیکن اس کے باوجود اذان سے فقہاء رحمہم اللہ نے منع فرمایا ہے ۔

اور دلیل یہ دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عیدین کے نماز کیلئے اذان کا رواج نہیں تھا۔

اب یہاں بھی منع ثابت نہیں ،تو کیا کوئی عیدین کے نما زکیلئے اذان واقامت کر نا درست ہوگا۔یہاں

جو بدعتی فرقے کا جواب وہی میرا جواب۔

دلیل نمبر2: کیا نبی کریم ﷺ نے صبح کی فرض دو رکعت سے زیادہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے؟

اب اگر کوئی زیادہ ثواب کی اُمید پر دو کی بجائے چار فرض پڑھ لے، تو اس شخص کو تم کیا کہوگے؟ یہاں جو بدعتی فرقے کا جواب وہی میرا جواب۔

چار فرض کی ممانعت دکھانا بدعتیوں کے ذمہ ہے، اس لئے کہ وہ بھی ہم سے منع کی دلیل مانگتے ہیں۔

دلیل نمبر3: اذان ختم کرنے کے بعد جماعت کھڑی ہونے والی ہے، غفلت سے بیدار ہو جاؤ، مسجد چلے آؤ،جیسے اضافی چیز کو عربی میں تثویب کہتے ہیں۔تثویب سے سیّدنا علی،سیّدنا عمر، سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو منع کیا تھا، اور اسے بدعت کہا تھا ۔بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تو ''اس نیک کام ''کرنے والے ایک بدعتی کو مسجد سے باعزت طریقے سے باہر پھینکوایاتھا۔ اب اس کام سے نبی کریم ﷺ نے منع نہیں فرمایا تھا، تو اس کا کیا جواب دو گے؟

دلیل نمبر4: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے چھینک آنے والے شخص کا (الحمد للہ) کے ساتھ (والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ) کا اضافہ کرنے پر اعتراض کیا کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں تھا۔ یہاں بھی یہ اضافہ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا تھا۔ پھر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو کیوں ٹوکا؟ آخر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حق کس نے دیا کہ ایک مسلمان کو دَرود پڑھنے سے منع کرے؟یہاں بھی جو تمہارا جواب وہی میرا جواب۔

دلیل نمبر 5:"فقہائے کرام تحریر فرماتے ہیں: دن کے وقت نفل نماز ایک تحریمہ سے چار رکعت سے زیادہ پڑھنا منع اور مکروہ ہے اسلئے کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ۔" "ھدایۃ " میں کراہت کی دلیل بان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: {و دلیل الکراہۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذلک} (عنایۃ شرح الہدایۃ ، کتاب الصلوۃ،باب النوافل)۔۔یہاں بھی آقا علیہ السلام سے منع کا ثبوت نہیں ، پھر مکروہ کیوں؟ جو تمہارا جواب وہی میرا جواب۔

دلیل نمبر 6:"نمازِ استسقاء کیلئے تین دن باہر نکلیں، اس سے زیادہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ منقول نہیں ۔"(ردالمحیارالمعروف بہ شامی ،کتاب الصلاۃ ،باب الاستسقاء)

نمازِ استسقاء بار بار پڑھنے میں حرج ہی کیا ہے؟ نماز ہی تو ہے اور نماز مناجات اور دعا ہی تو ہے، مگر پھر بھی جتنی بار سنت سے ثابت ہے ان سے زیادہ پڑھنے سے فقہاء نے منع فرمایاہے۔ جو آپ کا جواب وہی میرا جواب۔

دلیل نمبر7: اسی طرح نفل نماز بھی باجماعت پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ مگر اس کے باوجود سورج گرہن، استسقاء اور تراویح کے علاوہ کسی بھی نفل کی جماعت، جب چار یا چار سے زیادہ مقتدی ہو، مکروہ ہے۔ تین افراد کی جماعت میں مکروہ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ اور اس کی وجہ بحرالرائق میں یہ لکھی ہے کہ:

و اصل هذا ان التطوع بالجماعة اذا كان على سبيل التداعى يكره
''نفل نماز باجماعت کے لئے لوگوں کو بلانا مکروہ ہے۔''
جب نبی کریم سے منع ثابت نہیں تو فقہاء نے کیوں اسے مکروہ کہا۔
دلیل نمبر8: رمضان میں وتر باجماعت پڑھتے ہیں۔ باقی مہینوں میں وتر باجماعت پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔جبکہ نبی کریمﷺ سے وتر کا سارا سال باجماعت پڑھنا ثابت نہیں۔ اگر کوئی پڑھے اور بدعتی اعتراض کرے کہ یہ مکروہ ہے، تو بدعتی کیا جواب دے گا:
وَ يُوتَرُ بِجَمَاعَة في رمضان فقط عليه إجماع المسلمين، كذا في التبيين۔
''اور وتر صرف رمضان میں باجماعت پڑھی جائے گی، اور اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور یہی بات تبیین میں بھی لکھی ہے۔''(فتاوی عالمگیری)

مشروع عمل میں بھی خودساختہ تخصیص کی اجازت نہیں

قارئین! نفل روزہ رکھنا سنت اور مشروع عمل ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اس میں اپنی طرف جمعہ کے دن کی تخصیص کرنے سے نبی کریم ﷺ منع فرمایاہے:
لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الاان يكون فى صوم يصومه احدكم
''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے اور جمعہ کا دن روزہ رکھنے کیلئے خاص نہ کرو،ہاں اگر اسی دن کسی کے معمول کے روزے رکھنے میں جمعہ کا دن آئے توکوئی بات نہیں۔''
(مسلم ،کتاب الصیام،باب الکراہیۃ الصیام یوم الجمعۃ منفرداً)
مثلاً مہینے کے تین روزے رکھنے میں اگر جمعہ بھی آجائے تو کوئی بات نہیں۔

اب اپنی طرف سے جمعہ کو افضل دن سمجھ کر روزہ رکھنا بدعت اور خلافِ سنت عمل ہے ۔ہاں اگر ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی رکھاجائے، تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔زیادہ تر لوگ یہی کہتے ہیں نا کہ جی:" جمعہ تو دنوں کی سردار ہے۔"
بھئی اس بات میں کہ جمعہ دنوں کی سردار ہے ، کون شک کرتا ہے؟۔مگر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہ ہمیں یہ بات کس نے بتائی کہ یہ دنوں کی سردار ہے؟ تو اس کا جواب ہر کوئی یہی دے گا کہ آپ ﷺ نے۔تو پھر جس ہستی نے اس کی فضیلت بتائی ہے اسی ہستی نے ہی اس دن کی تخصیص سے
منع فرمایا ہے۔

نوٹ: ملاعلی قاری "مرقاۃ شرح شکاۃ " میں جمعہ والے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ یہود ہفتہ کے دن کو خاص کر کے اس کی تعظیم میں روزہ رکھنے کااہتمام کیا کرتے تھے ، اور عیسائی اتوار کے دن کی تعظیم کر کے خصوصیت سے اس میں روزہ رکھتے تھے ،اس لیے حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ یہود کی طرح کسی دن کی تخصیص کر کے ان کی مشابہت اختیار نہ کی جائے ، بلکہ یہ بات پسند فرمائی کہ ہمار(شرعی)چال چلن ان سے مختلف ہو۔

اَصحابِ کرام رضی اللہ عنہم سے بدعات پر رَد کی چند مثالیں

صحابہ کرا م رضوان اللہ علیہم اجمعین بدعات سے روکتے تھے، اس لئے کہ وہ ہر بدعت کو بدعتِ سہیہ سمجھتے تھے۔عبادت اللہ عزوجل کے آگے اپنی انتہائی تذلل ،عاجزی اور تابعداری پیش کرنے کانام ہے۔ مگر یہ عبادت کیسے کیاجائے گا؟ کیا انسان عبادت کے طریقے خود بنائے گا یا وہ اس سلسلے میں ایک خاص قانون کا پابند رہے گا ؟ ان سوالات کے اطمینان بخش جوابات قارئین کو سطورِ ذیل میں ملے گی ۔لہٰذا جو عبادت اپنی خواہشات کے مطابق کیاجائے وہ عبادت نہیں،بلکہ سرکشی اور

نافرمانی ہے۔جس کا نتیجہ اللہ کی رضا نہیں، بلکہ اللہ کی غیظ وغضب کا سبب ہے۔ذیل کی مثالوں سے قارئین پر یہ بات خوب واضح ہوجائے گی،ان شاء اللہ۔

اپنی طرف سے عبادات کے طریقے اور کیفیات مقرر کرنے کی ممانعت

مثال نمبر1: سنن دارمی میں روایت ہے:راوی کہتاہے کہ ہم نماز فجر سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جاتے تھے اور جب وہ گھر سے نکلتے تو ان کیساتھ مسجد روانہ ہوتے۔ ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ کیا ابو عبد الرحمٰن (ابن مسعودرضی اللہ عنہ) نکلے؟ہم نے کہا: نہیں۔ یہ سن کر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔یہاں تک کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور ہم سب ان کی طرف کھڑے ہو گئے۔تو ابو موسیٰ ان سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! میں ابھی مسجد میں ایک نئی بات دیکھ کر آ رہا ہوں۔ابن مسعود نے کہا وہ کیا؟ابو موسیٰ نے جواب دیا:اگر زندگی رہی تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ کچھ لوگ نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر حلقے بنائے بیٹھے ہیں۔سب کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، اور ہر حلقہ میں ایک آدمی متعین ہے جو اُن سے کہتا ہے کہ 100بار{ اللہ اکبر} کہو،تو سب لوگ سو بار { اللہ اکبر}کہتے ہیں۔پھر کہتا ہے کہ سو بار{ الحمداللہ} کہو،توسب لوگ سو بار{ الحمد اللہ} کہتے ہیں۔پھر کہتا ہے کہ سو بار{سبحان اللہ} کہو، تو سو بار {سبحان اللہ} کہتے ہیں۔

یہ سن کر ابن مسعودرضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہسے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں سے پھر کیا کہا؟ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے سوچا کہ آپ کی رائے معلوم کرلوں۔ اسلئے میں نے وہاں کچھ نہ کہا۔ ابن مسعود

رضی اللہ عنہ نے فرمایا:تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ تم لوگ اس کی بجائے اپنے گناہ شمار کرو ،میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہوں گی۔ بہر حال یہ کہہ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف روانہ ہوئے، اور ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ کیا ہورہا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا:

اے ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! یہ کنکریاں ہیں جن پرہم تکبیرو تہلیل اور تسبیح گِن رہے ہیں۔۔۔ ابن مسعودرضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ بجائے اس کے تم اپنے اپنے گناہ شمار کرو ،اور میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے ایک بھی نیکی ضائع نہ ہوگی۔تعجب ہے اے اُمتِ محمد! کہ ابھی تو تمہارے نبی علیہ السلام کے صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں ۔ابھی آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے کپڑے نہیں پھٹے،آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے اور اتنی جلدی تم ہلاک ہوگئے۔۔۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم یا تو ایک ایسی شریعت پر چل رہے ہو جو محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے۔نعوذ باللہ۔بہتر ہے، یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔۔۔لوگوں نے جواب دیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! اس طرز عمل سے'خیر'کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہ تھا۔۔۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتنے' خیر' کے طلب گار ایسے ہیں جو' خیر' تک کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: اِنَّ قَوماً یَقْرَئُوْنَ الْقُرْآنَ لاَ یُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جوقرآن پڑھے گی، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ شاید ان میں سے اکثر تم ہی میں سے ہو۔یہ باتیں کہہ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس چلے آئے،راوی عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ ان حلقوں کے عام لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ نہروان کی

جنگ میں وہ ہمارے بالمقابل خوارج کے ساتھ تھے۔"(سنن دارمی، باب فی کراھیۃ اخذالرائی)

خدارا ! اس حدیث کی ایک ایک جملے پر غورکریں کہ "حلقے والے لوگ" کیا کررہے تھے؟ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے ان کی مخالفت کیوں کی؟ ایک نیک کام کو گراہی کا دروازہ کھولنا کیوں کہا؟ کتنے خیر کے طلبگار خیر تک نہیں پہنچ پاتے، کیوں کہا؟

وجہ یہ تھی کہ اگر چہ ذکر ایک مشروع و مسنون عبادت ہے، جس کی بڑی احادیث میں بیان ہوئی مگر ان کا یہ طریقہ من گھڑت تھا، نبی کریم ﷺ کا بتلایا ہو ا طریقہ نہیں تھا ۔ بلکہ انہوں نے خیر کی عرض سے اپنی طرف سے اچھا (بدعتِ حسنہ) سمجھ کر بنا یا تھا جسے صحابی رسول ﷺ نے رَد کر دیا، اور اُن کی اس ایجاد کردہ کیفیت کو(بدعتِ حسنہ کی بجائے) گمراہی کہا ۔

ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ان حلقہ نشینوں پر جو نکیر نہیں فرمائی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے نرمی کا پہلو اختیار کیا کہ چلو جانے دو،نیکی ہی تو کر رہے ہیں بلکہ وہ ابن مسعودرضی اللہ عنہ کے حکم یا ان کی رائے کا منتظر تھے۔اسلئے کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے سے زیادہ علم و فضل والے سمجھتے تھے۔بدعت حسنہ کے رٹ لگانے والوں !کیاآپ اس دین کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ سمجھتے ہو ؟

ابن مسعود کا یہ فرمانا کہ: کتنے خیر کے طلب گار ایسے ہیں جو خیر تک کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔' بدعتِ حسنہ کامضبوط رَد ہے۔اب اس صحابی پر اس نیک کام یعنی ذکر سے منع کرنے پر، اور اس طریقے کو گمراہی کہنے پر فتوی لگادو،یا اپنے گمراہانہ طریقے چھوڑکر صحیح مسلمان بن جاؤ۔

مثال نمبر2:عبداللہ ابن مسعودرضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

آپ رضی اللہ عنہ نے ان حلقہ والوں پر رَد کرتے ہوئے فرمایا:

"میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں ۔قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی{ اِلٰہ } نہیں ،تم نے ایک تاریک بدعت جاری کی ہے ،یا تم نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فوقیت حاصل کر چکے ہو۔"(جوکہ ممکن ہی نہیں) کیا تمہارے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی وہابی اور بد مذہب تھا ؟(معاذاللہ۔ہم ایسی سوچ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔ذکر و اَذکار کی بڑی فضیلت ہے، ابن مسعودرضی اللہ عنہ ذکر کی فضیلت سے بخوبی واقف تھے ،لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا اعتراض خود ساختہ طریقہ پر تھا ، ذکر و اذکار پر نہیں۔

مثال نمبر 3: عمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ نے بِشر بن مروان(مدینہ کا گورنر) کو خطبہ کے دوران دونوں ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو سخت لہجے میں فرمایا:اللہ تعالٰی تمہارے یہ دونوں ہاتھ توڑ دے ۔ میں نے رسول اللہ ﷺکو(خطبہ پڑھتے) دیکھا ،آپﷺ اس سے زیادہ نہ کرتے اور پھر اپنی انگشتِ شہادت کی جانب اشارہ کیا ،یعنی اس سے زیادہ نہ اُٹھاتے۔" (مسلم شریف، کتاب الجمعۃ،باب تخفی الصلوۃ والخطبۃ)

دیکھو! دعا میں ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے،اس سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا لیکن ...جہاں اور... جس وقت نبی کریم ﷺ نے ہاتھ نہیں اُٹھائے تھے یعنی منبر پر خطبہ دیتے وقت۔ وہاں پر صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔

مثال نمبر4: ابن وضاح رحمہ اللہ متوفی286 ہجری امام مالک رحمہ اللہ کا ایک واقعہ بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ کا مئوذن امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے میں صبحِ صادق کے وقت لوگوں کوآواز دیتا،امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو بلایا اور دریافت فرمایاکہ تو یہ کیا کرتا ہے ؟جواب دیا لوگوں کو صبحِ صادق کے وقت کی خبر کرنے کیلئے یہ عمل کرتا ہوں تاکہ لوگ اُٹھ جائیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تو ایسا نہ کر،ہمارے اس شہر میں ایسی بات ایجاد نہ کر جو اس میں نہیں ہے۔ آپﷺ نے اس مبارک شہر میں دس سال قیام فرمایا،اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی یہاں قیام فرمایا،انہوں نے یہ کام نہیں کیا، اسلئے توبھی ایسی چیز ایجاد مت کر جو آج تک یہاں نہیں کی گئی۔ تو مئوذن رُک گیا ۔ پھر کچھ دنوں کے بعد صبحِ صادق کے وقت مینارے پر کھنکارنا (پشتو میں"غاڑہ تازہ کول")شروع کیا ، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تم کو نئی چیز ایجاد کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا ؟اس نے جواب دیا آپ نے تثویب(اذان کے بعد اعلان)سے منع کیا تھا ،امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ،نہیں یہ کام بھی مت کر۔پھر کچھ مدت بعد لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا شروع کیا ،امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے پاس ایک آدمی بھیجا اور پوچھوایاکہ پھر یہ کیا کرنا شروع کیا ؟ تو اس نے کہا : میں نہ تثویب کرتا ہوں ،نہ کھنکھارتا ہوں،جس سے آپ رحمہ اللہ نے منع فرمایا تھا ۔اب تو میں لوگوں کو صبحِ صادق کی اطلاع دینے کیلئے ان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں ۔امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے بھی منع فرمایااور فرمایا:جو چیز اس شہر میں نہیں ہوئی، تو اسے یہاں جاری مت کر۔" (البدع والنہا عنہا ،باب تغیر البدع)

مثال نمبر 5: ایک مرتبہ ابن عباس اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا ، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپﷺ سوائے حجرِ اسود بو سہ دینے اور رکنِ یمانی کے چھونے کے کسی اور کو ن ے کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس مقدس گھر کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جسے چھوڑ دی جائے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورت احزاب کی آیت﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ پڑھ کرسنایا کہ بے شک خانہ کعبہ کی ہر چیز با عظمت اور ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کا ارشاد صحیح ہے۔" (مسند امام احمد)

سنت سے ثابت عمل میں بھی خود ساختہ اضافہ کی ممانعت

مثال نمبر 6: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما خاص طور پر بدعات پر نہایت شدومد کے ساتھ نکیر فرماتے تھے اور اہل بدعت کو اپنے سے دور رکھتے تھے۔چنانچہ ایک بار کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے چھینکنے کے بعد {الحمداللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ} پڑھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً اسے ٹوکا اور کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا ہے۔بلکہ یوں فرمایا ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو {الحمداللہ} کہے اور یہ ہر گز حکم نہیں دیا ہے کہ {والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ} بھی پڑھے۔"(جامع ترمذی ابواب الاداب ۔ما یقول العاطس امام حاکم)

اگر کوئی بدعت حسنہ بھی ہو سکتی تھی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آدمی کو درود پڑھنے پر کیوں ٹوکا؟

دیکھو! درود پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے پھر بھی جس موقع پر نبی کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو اس موقع پر صحابی رسول ﷺ نے منع فرمایا۔

مُلّاعلی قاری رحمہ اللہ متوفی 1014ہجری اسی مرقات ہی میں بدعت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

{والمتابعۃ :کما تکون فی الفعل تکون فی الترک ایضًافمن واظب علی فعل لم یفعلہ الشارع فھو مبتدع} (مرقاۃ ،ج :1،ص: 41)

''جیسا کہ اوامر(افعال میں) نبی کریم ﷺ کی متابعت لازم ہے۔اسی طرح ترک یعنی نہ کرنے میں بھی۔اور جو ایسے کام کرے جو نبی ﷺ نے نہ کئے ہو تو وہ بدعتی ہے۔''

ان احادیث کو پڑھنے سے قارئین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ کسی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی کام یا عمل نیک سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کردے ، اوراعتراض کی سورت میں اسے بدعتِ حسنہ کا نام دے۔ نہیں بھئی اسلام میں عبادات کے اندر کوئی بدعتِ حسنہ نہیں۔بلکہ کرنے والے کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کام یا عمل پر نبی کریم ﷺ کی مہرِ تصدیق ثبت ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ایسے نیک عمل کو بلا جھجک رَ د کرنا پڑے گا ۔

بدعتی ملّاؤں کا ایک پُرفریب اعتراض ۔۔۔۔عوام کے سامنے

بدعتی مُلّاؤں کو جب لاجواب کیاجائے تو کہتے ہیں دیکھو!یہ بندہ نیک کاموں سے لوگوں کو منع کرتا ہے ۔اس کا جواب ذرا سنئے:

اُوپر جتنے احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات آپ نے پڑھے ان سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود ساختی نیک اعمال ، یاسنت سے ثابت نیک اعمال میں خود ساختہ اضافے یا کیفیت ہی پر اعتراضات کئے تھے،اور ان کاموں یا کیفیات کو

گمراہی کا نام دیا تھا، اور نیک اعمال سے لوگوں کو منع کئے تھے ،بلکہ بعض اوقات تو سختی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا ،یہ بھی آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ کن نیک اعمال پر اعتراضات کئے ،اور یہ بھی آپ کو انداہ ہوچکاہوگا کہ ان نیک اعمال پر اعتراضات کئے جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں نے ''پیٹ''سے بغیر دلیلِ شرعی شیطان کی بہکاوے میں شروع کئے تھے۔حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ :

''ہر وہ عبادت جسے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے نہ کی ہو، اسے تم بھی نہ کرو ۔ کیونکہ پہلے لوگوں نے بعد کے لوگوں کیلئے کسی اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے ۔ اے قرآن و حدیث کو پڑھنے والوں کی جماعت ! اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے اختیار کرو ۔ ''

اسی طرح بخاری میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

''اے قرآن و حدیث کے پڑھنے والوں !تم قرآن پر نہ جموگے، اور ادھر اُدھر داہنے بائیں رستہ لوگے تو بس گمراہ ہوگے، کیسے گمراہ ،بہت گمراہ۔'' (بخاری،کتاب الاعتصام،باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ)

کمیہا الاحقر الی اللہ اکبر علی مندیزائی
واٹس اپ: 03109804145